© rasailojaraid.com

ہی کی حقیقت پسندی کا تقاضا تھا کہ انھوں نے اپنے گرد و نواح ہی سے کردار لیے ہیں اور وہ ہی زبان استعمال کی جو وہ بولتے تھے۔ سماج میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور اسی بنا پر عنوانات بھی گونا گوں ہو جاتے ہیں ساتھ ہی ساتھ زبان میں بھی مضمون کے لحاظ سے تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ اقبال کو لیجیے۔ وہ جوں جوں روایات سے قریب تر ہوتے گئے عام انسانوں سے دور ہٹتے چلے گئے۔ بالآخر انھیں فارسی زبان کو اپنا ذریعۂ اظہار کرنا پڑا۔ لیکن شاہ صاحب کی عظمت اسی میں ہے کہ انھوں نے سندھی زبان استعمال کی جو عوام کی زبان ہے۔ اس سے زبان کی آرائش ہوئی اور اسے ادبی حیثیت مل گئی۔ شاہ صاحب نے ترقی پسند عوام کے لیے اپنی سرزمین کی محبت، حقیقت پسندی اور عوامی زبان کو ورثے میں چھوڑا ہے۔ اس زبان کو سنبھالنا ہمارا کام ہے اور اسے صحیح خطوط پر آگے بھی بڑھانا ہے۔ اس سے کسی اور زبان کو گزند پہنچانا مقصود نہیں ہے کیونکہ شاہ کی زبان تو محبت اور یگانگت سے سرشار ہے نہ کہ منافرت اور بیگانگی سے۔ شاہ کے اشعار نہ صرف سندھ اور اہلِ سندھ کی زندگی کے آئینہ دار ہیں بلکہ وہ ہر دیہاتی زندگی کی عکاسی کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "بادل پیاسی زمین پر برستا ہے اور ہر جا سبزہ زار ہے، ہر شخص خوش اور شادمان ہے سوائے اس مہاجن کے جو قرض دے کر غریبوں کا خون چوستا ہے"۔ شاہ کی حقیقت پسندانہ شاعری میں امیری اور مفلسی کا موازنہ ہے۔ نیز بالادستی اور بے چارگی کا بھی نقشہ موجود ہے۔ یہ عوام کے ساتھ ان کی لگن کا کرشمہ ہے۔ ہم اپنی مروجہ حب الوطنی کی تمام اصناف کا شاہ صاحب کی حب الوطنی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہماری حب الوطنی میں کسی خاص ثقافت کو قدیم روایات پر ترجیح دی جاتی ہے، اور ان روایات کی تاریخی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ ہماری حب الوطنی میں عامرانہ نظام ( ) کی بو آتی ہے جو ہمیں ہمارے آبائی اور ملکی نظام ( ) کی طرف دھکیلتی ہے۔ برعکس اس کے شاہ صاحب کی محبت آفاقی ہے۔ وہ تو گلدستے کے ہر پھول سے خوشبو لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "پرندے اپنے اپنے جھنڈ میں رہتے ہیں، اگر کوئی پرندہ غائب ہو جائے تو سارا کا سارا جھنڈ اس کی تلاش میں نکلتا ہے"۔ وہ کسی دوسری جگہ پر کہتے ہیں "خدایا! تو میرے سندھ کی حفاظت کر اور سارے عالم کو خوشی سے بہرہ ور کر دے۔"

شاہ کے خیالات بالکل قومی اور ملّی معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی انسان دوستی کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ صداقت اور حریت کے علم بردار ہیں اور سماج میں فلاح و بہبود کے نقیب ہیں۔ الغرض شاہ صاحب کی شاعری میں ہمیں سندھ کی ثقافت اور تمدن کی تاریخ ملتی ہے جو ان کی زندگی کی مانند سادہ اور [illegible] مقصد ہے۔ اس میں جو باتیں بہت نمایاں ہیں۔ صداقت، خوبی اور نیک نیتی۔ یہ وہ صفات ہیں جو انفرادی طور پر زندگی کو بامعنی نہیں بناتے مگر مجموعی طور سے وہ ایک چٹان کا کام دیتے ہیں جو باطل کی طاقتوں سے ٹکرا ٹکرا کر زندگی اور ادب کو ایک مقصد یا مزید عطا کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد ریاض

رومی کا تصورِ فقر

مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۴ھ تا ۶۷۲ھ) کی مثنوی، دیوان کبیر (دیوان شمس تبریزی) اور فیہ ما فیہ کے علاوہ ان کے مکتوبات اور مجالسِ سبعہ (سات مواعظ) بھی اب تک شائع ہو چکے اور رومی شناسی کی نئی راہیں کھلتی جا رہی ہیں۔ رومی کی کئی حیثیتیں ہیں۔ وہ ایک عظیم شاعر ہیں۔ مثنوی شریف کے چھ دفاتر (کوئی ۲۷ ہزار ابیات) استاد بدیع الزمان فروزانفر مرحوم (م ۱۹۷۰ء) کے بقول انسانی عقل کے تکامل کا ایک نمونہ فراہم کرتے ہیں۔

دیوان کبیر (دیوان شمس) شعرِ فارسی کے سوز کا ایک مظہرِ کامل ہے۔ اس سوز کو کسی قدر فشردہ انداز میں اقبال کی "زبورِ عجم" کے دونوں حصوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ رومی نے سب اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی مگر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کمیت کے اعتبار سے وہ فارسی کے سب سے بڑے رباعی گو ہیں۔

فیہ ما فیہ، مکتوباتِ رومی اور مجالسِ سبعہ رومی کا مطالعہ مثنوی اور دیوان کے بعض مباحث کو سمجھنے میں معاون بنتا ہے۔

شاعر کے بعد رومی ایک عظیم متکلم کے طور پر قابلِ مطالعہ ہیں۔ ان کے اس پہلو کو کسی قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) نے "سوانح مولانائے رُوم" میں بیان کیا۔ بعد میں علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء)، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (م ۱۹۵۹ء)، میر ولی الدین اور ڈاکٹر افضل اقبال وغیرہم نے اپنی تصانیف کے ذریعے متکلم رومی کے افکار کو نمایاں تر کرنے کی کوششیں کی ہیں، اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء) کی شرحِ مثنوی بھی کم اہم نہیں۔ ایران میں استاد بدیع الزمان فروزانفر، استاد جلال الدین ہمائی اور کئی دیگر اصحاب نے اس ضمن میں کافی کام کیا ہے مگر رومی کے سے حکمتِ قرآنیہ سے آگاہ شخص کے بارے میں تحقیقات کا سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔

شبلی، علم الکلام اور الکلام میں بجا طور پر رومی کو بہت بڑا مزاج شناسِ اسلام قرار دیتے ہیں، مگر مجھے یہاں رومی کی ایک تیسری حیثیت کے بارے میں مختصر گفتگو کرنا مقصود ہے، یہ حیثیت "رومیؒ صوفی" سے مربوط ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ فقر و تصوف کے بارے میں رومی کا رویہ کیا تھا؟ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اقبالؔ نے رُومیؒ کی اس حیثیت پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک مثنویٔ رُومیؒ ایک مرشد و راہنما ہے[1] جو رقصِ رُوح کا گُر سکھاتی ہے اور رُومی نے اس فقرِ غیور کا درس دیا ہے، جس میں مسکنت اور سرِ بزیری کا کوئی شائبہ نہیں ہے ؎

پیرِ رُومیؒ را رفیقِ راہ ساز	تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست	پای او محکم فتد در کوئی دوست
شرح او کردند و او راکس ندند!	معنئ او چون غزالی از ما رمید

(جاوید نامہ)

بکامِ خود دگر آن کہنہ می ریز	کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدینِ رُومیؒ	بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز
بگیر از ساغرش آن لالہ رنگے	کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے ببخشد	بشوید داغ از پشتِ پلنگے

---

[1] اقبال نامہ جلد دوم مرتبہ شیخ عطاء اللہ لاہور (شیخ محمد اشرف) ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ز رومی گیر اسرارِ فقیری — کہ آن فقر است محسودِ امیری
حذر زان فقر و درویشی از وے — رسیدی بر مقامِ سربزیری

(ارمغانِ حجاز)

تصوف اور رومی

اپنے ایامِ تدریس میں رومی ایک فلسفی اور متکلم تھے۔ کوئی ۳۸ سال کی عمر میں شیخ شمس الدین تبریزی (م ۶۴۵ھ) کی ملاقات نے انھیں ایک بیدار دل صوفی بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف میں انسانی شخصیت کی تکمیل کے لیے راہنما اصول ملتے ہیں رومی کی زندگی کے آخری تیس سال ایک صوفی صافی کے طور پر گزرے۔ وہ "فرقۂ مولویہ" کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ فرقہ اب بھی مختلف ممالک میں کسی قدر موجود و مقبول ہے۔ مگر قابلِ توجہ ہے کہ رومی مذہبی گروہ بندیوں اور صوفیانہ فرقہ آرائیوں کے خلاف تھے۔ ان کے معتقدین نے البتہ ان کے معمولات کو رائج کرنے کی کوشش کی اور اس طرح ایک نیا فرقۂ تصوف وجود میں آگیا۔ رومی کے احباب کی اکثریت بھی صوفیا پر مشتمل تھی اور ان کی کوشش یہ تھی کہ یہ سب لوگ کوشش و کار اور زندہ دلی کے مظہر بن جائیں۔

رومی کا ملاک و معیار "مؤمن" تھا ان کے تصوف میں اسی نصب العینی "انسان" کی تلاش ایک بڑا مقصود نظر آتا ہے۔ دیوانِ کبیر (دیوان شمس) کی ایک غزل کے یہ تین اشعار جنھیں اقبال نے کئی موارد[1] میں نقل و تضمین کیا اس صوفی مطلق کی تلاش کے غماز ہیں ؎

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

---

[1] اسرارِ خودی - جاوید نامہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی کتاب میں یہ زبردست شعر ملتا ہے ؎

بزیر کنگرہ کبریاش مردانند فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزدان گیر

مثنوی معنوی میں فرمایا ؎

سایۂ یزدان بود، مرد خدا مردہ او زین عالم و زندہ خدا

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہ مؤمن صوفی، خودشناس اور خودساز ہے جو قرآن مجید کے نورِ ہدایت کی مدد سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہے ؎

کہ نباید خورد و جو ہمچو خران آہوانہ در ختن چرہ ارغوان

ہر کہ کاہ و جو خورد قربان شود ہر کہ نورِ حق خورد قرآن شود (دفتر پنجم)

رومی دنیا و دین کے تقاضوں کو علی التساوی برتنے کے مؤید اور حامی رہے ہیں۔ وہ قرآن کی ایک آیت (وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ ۲:۱۲۵) سے تطہیرِ قلب کا استدلال کرتے ہیں تاکہ حسد پر قابو پایا جا سکے ؎

عقبہ زین صعب تر در راہ نیست اے خنک آنکش حسد ہمراہ نیست

گرجسد خانہ حسد آمد و لیک آن جسد را پاک کرد اللہ نیک

طَهِّرَا بَيْتِيَ بیانِ پاکی است گنج نور است اوطلسمش خاکی است (دفتر اول)

حسد اور اس قسم کے رذائل اخلاق پر غالب آکر "رقصِ روح" کی نعمت مل سکتی ہے ؎

جانہا بستہ اندر آب و گل چون رہند از آب و گلہا شاد دل

در ہوای عشقِ حق رقصان شوند ہمچو قرصِ بدر بی نقصان شوند

جسمشان در رقص و جانہا خود مپرس وآنکہ گرد جان از آنہا خود مپرس (دفتر اول)

رقص و سماع کے بارے میں صوفیا میں اختلاف رہا ہے مگر متعدد حضرات نے اسے بعض شرائط سے مربوط کرکے جائز بتایا ہے۔

شیخ سعدی کی "بوستان" میں ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ دانی کہ شوریدہ حالانِ مست
چرا بر فشانند در رقص دست؟

کشاید درے بر دل از واردات
فشانند سر دست بر کائنات

حلالش بود رقص بر یادِ دوست
کہ ہر آستینش جانی است زدوست

رومی اسی بے اختیار سماع کے قائل تھے "جو رقص روح" کا پیش خیمہ ہے۔ اقبال بھی اسی سماعِ روح کی تلقین کرتے ہیں کہ

چھوڑو یورپ کے لیے رقصِ بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللّٰہی!

صلہ اس رقص کا ہے تشنگیٔ کام و دہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی

وہ بجا طور پر فرماتے ہیں کہ سماعِ رومی رقصِ روح اور بیداریٔ دل کے لیے تھا۔ رومی نے حرص و حسد اور غم و اندوہ کے خس و خاشاک جلا ڈالنے کی کوشش میں ہماری راہنمائی کی تھی مگر متاخر رومی شناسوں نے رقصِ بدن کو منتہائے مقصود بنالیا ہے

رقصِ تن از حرف او آموختند
چشم را از رقصِ جان بر دوختند

علم و حکم از رقصِ جان آید بدست
ہم زمین، ہم آسمان آید بدست

فرد از وے صاحبِ جذبِ کلیم
ملت از وے وارثِ ملکِ عظیم

رقصِ جان آموختن کارے بود
غیرِ حق را سوختن کارے بود

تا ز نارِ حرص و غم سوزد جگر،
جان بہ رقص اندر نیاید اے پسر!

رقصِ تن از حرف او آموختند
چشم را از رقصِ جان بردوختند

© rasailojaraid.com

رُومیؒ ایک بُرد بار اور غم فراموش صُوفی تھے۔ شمس الدین افلاکی (م ۷۶۱ھ) کی "مناقب العارفین" دیکھیں کہ رومی اپنی برملا برائی سن کر کسی قدر مسکرا دیتے تھے۔ وہ ایک ذکی الحس اور سراپا حرکت و حرارت شخصیت تھے۔ کبھی کبھی نماز کی ایک رکعت میں ان کی پوری رات گزر جاتی تھی، اس لیے وجد و سماع ان پر طاری ہو جانا ایک بدیہی امر تھا۔ اس کے باوجود ان کا معمول صحو تھا اور سکر و محویت سے وہ گریزاں تھے۔ وہ فتوے لکھ کر کسب معاش کرتے اور بے عمل صوفیا کے خلاف تھے ؎

دوست دارد یار این آشفتگی — کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
اندرین رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش

رومیؒ فقر اختیاری کے حامی تھے۔ وہ دولت کو بُرا نہ جانتے تھے کیوں کہ اس کی مدد سے دین کے کارہائے خیر یہ انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ البتہ محبتِ دولت انھیں ناپسند تھی۔ کیونکہ یہ دل کی اسیری اور موت کے مترادف ہے ؎

چیست دُنیا؟ از خدا غافل بُدن — نی قماش و نقدہ و فرزند و زن
مال را گر بہرِ دین باشی حمول — نعم مالٌ صالحٌ گوید رسولؐ
آب در کشتی ہلاکِ کشتی است — آب اندر زیرِ کشتی، پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند — زاں سلیمانؑ خویش جز مسکین نخواند (دفتر اول)

ان کا مقصد یہ تھا کہ دولت سے استغناء اور بے نیازی برتی جائے۔ اسے اپنی جائز احتیاجات اور دینی تقاضے پورے کرنے کے کام میں صرف کیا جائے مگر اس کے حصول کو معراجِ حیات نہ جانا جائے۔ حدیثِ قدسی ہے:

"الفقر فخری و بہ افتخر!"

اسی کے حوالے سے رومی ایک زن و شوہر کی حکایت (دفتر اول) میں بیان فرماتے ہیں کہ حقیقی فقیر کی شانِ بے نیازی کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے ؎

گفت اے زن تو زنی یا بوالحزن؟ — فقر فخر آمد، مرا بر سر مزن
کارِ درویشی ورائے فہم تست — سوی درویشی منگر سست سست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ز آنکہ درویشان ورائے ملک و مال روزیے دارند ژرف از ذوالجلال (دفتر اول)

رُومی ترکِ دنیا کے منکر ہی نہیں بلکہ جہاد و قتال کو لازمۂ فقر جانتے ہیں۔ جنگل و غار کی گوشہ نشینی ان کے نزدیک نام نہاد فقرِ مسیحی کے مظاہر ہیں۔ مسلمان کا فقر تو جہاد و مقاومت کا دال ہے ؎

این جہان جنگ است کل چون بنگری ذرہ با ذرہ چون دین با کافری

تیغ جانہارا کند پاک از عیوب زانکہ سیف افتاد محّاء الذنوب

مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ مصلحت در دینِ عیسیٰؑ غار و کوہ

رُومی ایک قدری متکلم و صوفی تھے۔ اپنی تصانیف (خصوصاً مثنوی) میں انھوں نے نت نئے اسالیبِ بیان اور حکایات و تمثیلات کی مدد سے یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان ایک با اختیار شخصیت ہے اور مجبوری و ناتوانی کا احساس پست ہمتی اور کور ذوقی کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ مشیتِ الٰہی نے باز اور کوّے دونوں کو پَر دیئے ہیں مگر باز اپنی اعلیٰ ہمتی کی مدد سے بادشاہوں کے کندھوں پر جا سوار ہوتا ہے مگر کوّا مردار گاہ کا رُخ کرتا ہے ؎

جبر باشد پرّ و بالِ کاملان جبر ہم زندان و بند کاہلان

بالِ بازان را سوئے سلطان برد بالِ زاغان را بگورستان برد

رُومی نے مثنوی کے دفتر اول میں "شیر اور نخچیروں" کی حکایت کے پردے میں انسان کے مختار کار کے حق میں قوی دلائل دیئے ہیں۔ ایک موقع پر وہ فرماتے ہیں کہ جب بفحوائے :

"كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" (۲۹ : ۵۵)

خدائے تعالیٰ خود ہر لحظہ و آن مصروفِ تخلیق و فعالیت ہے تو مخلوق میں سے کسے سعی و کوشش سے بے نیازی برتنے کی جرأت ہوسکتی ہے ؟

؎ آنکہ او شاہ است او بیکار نیست
نالہ از وی طرفہ کو بیمار نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہراین فرمود رحماں اے پسر !
کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ اے پسر [1]

رُومی نے شعراء پر انتقادات بھی لکھے ہیں - ایک انتقاد جبر پسند توجیہات کے بارے میں ہے - ان کے نزدیک بعض صوفیا نے "توکّل" کے غلط معانی بیان کیے ہیں اور اپنے معتقدین کو بے عملی کی تعلیم دی ہے - فرماتے ہیں کہ توکّل کو بے عملی اور مجبوری کے معانی دے دیئے جائیں تو شریعت کے اوامر و نواہی اور منکرات اور معروفات کی تمیز اٹھ جائے گی - انسانوں بلکہ حیوانات میں بھی عمل اور عکس العمل دیکھ کر یہی بات قرین عقل نظر آتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو بڑی حد تک اختیار سے نوازا ہے - پس توکّل یہ ہے کہ کام محنت سے کیا جائے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے ؎

گر شتربان اشتری را می زند | آن شتر قصد زننده می کند
خشم اشتر نیست با آن چوب او | پس ز مختاری شتر برده است بو
عقل حیوانی چو دانست اختیار | این مگو اے عقل انسان شرم دار
این کہ فردا آن کنم یا این کنم | این دلیل اختیار است اے صنم
وآن پشیمانی کہ خوردی از بدی | ز اختیار خویش گردی مہتدی
جملۂ عالم مقر در اختیار | امر و نہی این بیار و آن میار
سعی ابرار و جہاد مومنان | تا بدین ساعت ز آغاز جہان
حق تعالیٰ جہد شان را راست کرد | آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد
گر توکّل می کنی در کار کن | کار کن ، پس تکیہ بر جبار کن
گفت پیغمبر بآواز بلند | بر توکّل زانوئے اشتر ببند

---

[1] دوسری جگہ ہے ؎

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ بخوان | مر ورا بی کار و بی فعلی مدان

دفتر اول ، بیت شمارہ ۳۰۷۱ (از روئے نسخۂ نکلسن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

در توکل کسب و جُہد اولیٰ تر است
تا حبیبِ حق شوی این بہتر است

سعی، شکرِ نعمتِ قدرت بود
جبر تو انکارِ آن نعمت بود

شکرِ نعمت نعمتت افزوں کند
کفرِ نعمت از کفت بیروں کند

مُوت سے بے خوفی

اس دُنیا میں انسان کے بڑے امتحانات جان اور مال کی قُربانی سے مربوط ہیں۔ مال کی قربانی زکوٰۃ، صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے دوسرے طریقے ہیں جب کہ جان کی آزمائش جہاد و قتال کے معرکے ہیں۔ مال کی محبت انسان کو بخیل اور ممسک بنا دیتی ہے اور جان کے بچاؤ میں وہ موت کی ہر صورت سے خائف رہنے لگتا ہے، حقیقی صوفیا ان دونوں فتنوں سے مصون رہے اور متاعِ دل کو سالم لے جا سکے ہیں۔ رومی کا فقر ان فتنوں سے ہمیں برحذر رکھتا ہے۔ اور اسی طرح عصرِ حاضر میں اقبال کی تلقینات بھی جو رومی کے زیرِ اثر لکھی گئی ہیں۔ [1]

مال سے بے نیازی کے معاملے میں رُومی کے افکارِ عالیہ کی ایک جھلک اُوپر دکھائی گئی مگر موت سے بے خوفی کے سلسلے میں ان کے بیانات اور بھی ایمان افروز ہیں۔ وہ موت کو ارتقائے حیات کا مرحلہ بتاتے ہیں اور ان کے مندرجہ ذیل اشعار کو چند بار بغرضِ استشہاد نقل کیا ہے ؎

از جمادی مُردم و نامی شدم
وز نما مردم بہ حیواں سر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کہ ز مردن کم شدم؟

حملۂ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک بال و پر

بارِ دیگر از مَلک پرّاں شوم
آنچہ اندر وہم ناید آن شوم

پس عدم گردم عدم چون ارغنون
گویدم: اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

---

[1] خصوصاً جاوید نامہ کے ضمیمہ "سخنے با نژادِ نو" میں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رُومیؔ کی نظر میں انسان کا منتہائے مقصود دیدارِ ذات ہے، جسے وہ "مقامِ کبریا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ مرحلہ ظاہر ہے کہ اکثر انسانوں کو پسِ مرگ ہاتھ آتا ہے ؎

خود ز فلک برتریم و ز ملک افزون تریم
زین دو چرا نگزریم، منزلِ ما کبریاست؟

اقبالؔ نے عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا ہے ؎

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ
فتنۂ او حبِّ مال و ترسِ مرگ (جاوید نامہ)

رُومیؔ ان فتنوں سے آگاہ تھے، اسی لیے انھوں نے مال کی بے مائگی کی طرح موت کو بھی ایک معمولی اور ناقابلِ ترس کام قرار دیا ہے۔ رُومی کی زندگی کا ایک اندوہناک واقعہ ان کے مُرشد شمس الدین تبریزی کا غائب ہونا تھا، مگر سلامتیٔ قلب کی خاطر انھوں نے اس قلق کو جلد بھلا دیا۔ مولانائے رُوم کے احباب میں صلاح الدین زرکوب (م ۶۵۷ھ) اور حسام الدین چلپی (م ۶۸۳ھ) کے نام معروف ہیں۔ رُومی کی بے خوفیٔ موت کا یہ منظر قابلِ دید رہا ہوگا کہ صاحب مناقب العارفین کے بقول[1] صلاح الدین زرکوب کے جنازے کی مشایعت میں وہ اپنے دوست کی وصیت کے مطابق سماع[2] کرتے رہے۔ ان کے مریدوں نے بھی یہی روش اپنائے رکھی اور رُومی کو بھی سماع و روحانی رقص کے اہتمام کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔[3]

بہرحال، رُومی جہاد و قتال کے لیے سربکف رہنے کے لیے اور رُوحانی ارتقاء پر توجہ دلانے کی خاطر موت سے بے خوفی کا درس مدت العمر دیتے رہے اور ان کے نظامِ فقر میں اس تعلیم کی خاص اہمیت ہے ؎

زندگی در مردن و در محنت است آبِ حیوان در درون ظلمت است

---

[1] کتاب مذکور طبع انقرہ ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۹۳
[2] "صاحب المثنوی" مؤلفہ قاضی تلمذ حسین مطبوعہ اعظم گڑھ (دارالمصنفین) ۱۹۶۷ء صفحہ ۰
[3] مناقب العارفین صفحہ ۷۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منہ چناں مرگی کہ در گورے روی
مرگ تبدیلی کہ در نورے روی

می رود چوں زندگانی بر خاکدان
مردہ و جانش شدہ بر آسمان

شیر دنیا جوید اشکاری و برگ
شیر مولا جوید آزادی و مرگ

از ملائک ہم باید رفتن جلو
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ[۱]

منقولہ بالا پانچ شعر رومیؔ کے عندیے کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نعمتِ دل، اکلِ حلال اور جرأتِ مردانہ

فقر و تصوف میں "دل" کی بے حد اہمیت ہے اور اسی کے اشراق سے صوفیا وجودِ انسانی کو منوّر کرتے رہے ہیں۔ رومیؔ کے صدہا بیت "اہمیتِ دل" کے بیان کے لیے وقف رہے ہیں۔ وہ بار بار یہ نکتہ سمجھاتے ہیں کہ "دلِ عرفاء" اور ہے اور سینے کے اندر دھڑکنے والا یہ معمولی دل اور ہے

گر تو اہلِ دل نہ ای، بیدار باش
طالبِ دل باش و در پیکار باش

تو ہمی گوئی ترا دل نیز ہست؟
دل فراز عرش باشد نے بہ پست

تو گِل خود را دلے پنداشتی
جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی

دل کی بیداری اور سوز رومی کے نزدیک روزیٔ حلال سے ہاتھ لگتے ہیں۔ اکثر صوفیا نے حلال کی روزی کے حصول اور کسب پر بے حد زور دیا ہے مگر رومی کی تلقین اور بھی شدید تر ہے۔ وہ یہ نکتہ یاد دلاتے ہیں کہ حقیقی عشق و مستی اور رقت و حال صرف اکلِ حلال سے حاصل ہوتے ہیں

لقمہ کان نور افزود و کمال
آن بود آوردہ از کسبِ حلال

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال

ہیچ گندم کاری و جَو بر دہد؟
دیدہ ای اسپی کہ کرہ خر دہد؟

لقمہ تخم است و برش اندیشہ ہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ ہا

---

[۱] قرآن مجید آیت ۸۸ سورۃ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زاید از لقمہ حلال اندر دہان ــــ میل خدمت، عزم رفتن آن جہان (دفتر اوّل)

انھوں نے سوال و گدائی کی سخت مذمت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ عشق و مستی کی مانند اکلِ حلال کے لیے بھی خدا سے استمداد کرو اور دوسروں کے ممنونِ احسان اور دست نگر مت ہو کیونکہ گدائی و محتاجی حقیقی فقر کے لیے زہرِ ہلاہل ہیں ؎

پس گدایان آینۂ جودِ حق اند ــــ وآنکہ با حق اند، جودِ مطلق اند
وآنکہ جز این دو ست او خود مردہ ایست ــــ او برین در نیست نقشِ پردہ ایست
نقشِ درویش ست او نہ اہلِ نان ــــ نقشِ سگ را تو مینداز استخوان
فقرِ لقمہ دارد او نہ فقرِ حق ــــ پیشِ نقشِ مردہ کم نہ طبق
ماہیِ خاکی بود درویشِ نان ــــ شکلِ ماہی لیک از دریا رمان
مرغِ خانہ است او، نہ سیمرغِ ہوا ــــ لوت نوشد او، نہ نوشد از خدا
عاشقِ حق ست او بہرِ نوال ــــ نیست جانش عاشقِ حسن و جمال
گل را مخور، گل را مخر، گل را مجوی ــــ زانکہ گل خوار است دائم زرد روی
رزق از حق جو مجو از زید و عمر ــــ مستی از حق جو مجو از بنگ و خمر
دل بجو تا جاودان باشی جوان ــــ از تجلی چہرہ ات چون ارغوان
بندہ باش و بر زمین رو چون سمند ــــ چون جنازہ نی کہ بر گردن برند!
از طمع ہرگز نخوانم من فسون ــــ این طمع را کردہ ام من سرنگون
حاش للہ طمعِ من از خلق نیست ــــ از قناعت در دلِ من عالمی است

ان ابیات میں ایک بیت خاص طور پر توجہ طلب ہے ؎

بندہ باش و بر زمین رو چون سمند
چون جنازہ نی کہ بر گردن برند

فقرِ رومی اس بیت سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ رومی کا تصورِ فقر خدائے تعالیٰ سے نیازمندی اور بندگی اور مخلوق سے بے نیازی برتنے کا نام ہے۔ مخلوق سے بے نیازی یعنی صاحبانِ جاہ و مرتبہ سے دوری اور ان کے مال و منال سے عدمِ طمع۔ اقبال نے فرمایا ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی بارگاہ
محروم خودی سے جس دم ہُوا فقر
تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ

فقرِ رُومی ایسے ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حقیقی فقیر متوجہ الی اللہ رہتا ہے اور باقی سفلی امور اس کے لیے ضمنی ہوتے ہیں ؎

من غلام آنکہ او در ہر رباط — خویش را واصل نداند بر سماط
پس رباطی کہ بباید ترک کرد — تا بمسکن در رود یک روز مرد

ان کا صوفی و درویش کا معیار بغایت بلند تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار اسی معیار کے مظہر ہیں اور ان میں بعض اقبال کے ہاں بھی منقول[۱] ملتے ہیں ؎

دفتر صوفی سواد و حرف نیست — جز دل اسپید مثل برف نیست
زاد دانشمند آثار قلم — زاد صوفی چیست؟ آثار قدم
ہمچو صیادی سوی اشکار شد — گام آہو دید و بر آثار شد
چند گامش گام آہو در خور است — بعد ازان خود ناف آہو رہبر است
راہ رفتن یک نفس بر بوی ناف — خوشتر از صد منزل گام و طواف
صوفیان صافیان چون نور خور — مدتی افتادہ بر خاک و قذر
بی اثر پاک از قذر باز آمدند — ہمچو نور خور سوی قصر بلند

رُومی کے نزدیک حقیقی فقرا اور صوفیا وہ ہیں جنھیں اصطلاحاً "ابن الوقت" یا "ابو الوقت" کہہ سکتے ہیں یعنی جو زمان و مکان پر غالب ہیں۔ ان کے رُوحانی مکاشفات و کرامات کے سامنے مکانی بُعد اور زمانی مدتیں مزاحم نہیں ہیں، اس لیے کہ وہ اخلاق اللہ اور اتباعِ رسول کی لازوال نعمتوں سے بہرہ مند ہو چکے ہیں ؎

---

[۱] پہلا مقالہ کتاب؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوفی ابن الوقت باشد ای رفیق نیست فردا گفتن از شرط طریق
ہست صوفیؔ صفا چون ابن وقت وقت را ہمچو پدر بگرفتہ سخت

رُومیؔ علی الظاہر وحدت الوجود کی بعض تعبیرات کے مؤید اور حامی ہیں۔ فیہ مافیہ میں ان کے بعض بیانات خصوصی طور پر وجودیوں کے سے ہیں مگر ان کا شعری سرمایہ بمشکل اس نقطۂ نظر کا حامی ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر آر۔اے نکلسن (م ۱۹۴۵ء)، علامہ اقبالؔ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں کہ رُومیؔ وحدت الوجود کے حامی نہ تھے خصوصاً شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی توجیہات سے انھیں برملا اختلاف رہا ہے۔ بنا بریں رومیؔ کے تصورِ فقر میں خودی و خودشناسی کی بے حد اہمیت ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں :-

تو نمی دانی کہ آخر کیستی؟ جہد کن چندانکہ دانی چیستی؟
چونکہ بربوک است جملہ کار ہا کار دین اولیٰ کزان گردی رہا
جہد کن در بیخودی، خود را بیاب زود تر، واللہ اعلم بالصواب

صوفیا اور تصوف پسند علماء نے علم و عمل اور علم حواس کے مقابلے میں علم باطن کے قابلِ اعتماد ہونے کے بارے میں کافی لکھا ہے۔ اس ضمن میں امام ابو حامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) کے بیانات بہت معروف ہیں۔ رومی اس معاملے میں امام غزالی کے ہم نوا ہیں کہ علم حواس : (عقل، خرد، خبر، دانش برہانی وغیرہ) کے مقابلے میں علم باطن یا اشراقِ قلب (عشق، دل، نظر، حیرانی، دانش نورانی اور دید وغیرہ) زیادہ زیادہ مؤثر اور قابلِ اطمینان ہے فقہاء اور فلاسفہ پر اسی لیے رُومی نے انتقادات لکھے ہیں مثلاً :-

آن طرف کہ عشق می افزود درد
بُوحنیفہؒ و شافعیؒ درسی نکرد
و آنکہ او آن نور را بینا بود
شرح او کی کار بُو سینا بود
گر بہ استدلال کار دین بُدی
فخر رازی رازدانِ دین بُدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقرِ رومی، عشق و مستی کا آمیزہ ہے۔ اس میں وجد و حال ہے، موت سے بے خوفی اور جہاد و قتال کی آرزو کا اظہار بار بار ملتا ہے ۔

بمیرید، بمیرید درین عشق بمیرید
درین عشق چون مُردید ہمہ روح پذیرید

بمیرید، بمیرید ازین مرگ مترسید
کزین خاک برآئید، سموات بگیرید

بمیرید، بمیرید وزین ابر برآئید
چو زین ابر برآئید، ہمہ بدر منیر ید (دیوان کبیر)

برمکن آن پر کہ نپذیرد رفو — رومی مخراش از عزا ای خوب روی
زخم ناخن برچنان رخ کافریست — کز رُخ مہ در فراق او گریست

ظاہر ہے کہ وحدتُ الوجود کے قائل، مستِ 'الست' صوفیوں کا یہ لب و لہجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

برتری شریعت بر طریقت

فقرِ رومی دین و دُنیا کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ اس میں شریعتِ اسلام، طریقتِ صوفیا پر مُقدّم ہے اور انبیاءؑ اولیاء پر مرجّح ہیں۔

رومی شرعِ اسلام کے پابند تھے اور اس کی پابندی کے داعی بھی۔ انھوں نے صوفیانہ روایات، تاویلات، اور توجیہات سے بھرپور استفادہ کیا۔ ممکن ہے کہ ان کی بعض تاویلات شرح یا ان کے الفاظ اور حکایات کے محتویات بعض طبائع کو گوارا نہ ہوں، مگر یہ امر ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ وہ بندگیٔ خدا اور عبادت شعاری کا درس دیتے رہے اور غیراللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے (یا اقبال کی اصطلاح میں سربزیری) کو انھوں نے مکروہ اور قابلِ ایراد بتایا ہے ۔

آدمی را ہست در ہر کار دست
لیک از و مقصود این خدمت بداست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ما خلقت الانس والجن" ، این بخوان
جز عبادت نیست مقصود از جہان!
از خدا غیر خدا را خواستن
ظن افزونی نیست ، کلی کاستن

نتیجۂ گفتار

رومی قرن ہفتم ہجری کے عصر فتن میں پیدا ہوئے۔ اس وقت منگولوں کی سفاکیوں نے روم اور دیارِ روم کے مسلمانوں کو متوحش اور ترس ناک بنا رکھا تھا۔ صوفیا فقہا اور علماء کی بیشتر تعبیرات نفی شخصیت اور کارزارِ زندگی سے فرار کے درس پر مشتمل تھیں۔ رومی نے اس روش کو بدلنے کی کوشش کی۔ انھوں نے یوں تو ہر طبقۂ خیال کے مسلمانوں کو مخاطب کیا، مگر صوفیا، تصوف کے غیر معمولی رواج کی مناسبت سے، ان کی بیشتر توجہ کا مرکز رہے۔ انھوں نے فقر و تصوف کے بارے میں اپنے حرکی اور فعالیت آمیز تصورات پیش کیے ہیں۔ انھوں نے توکل، تدبیر اور مختلف صوفیانہ معمولات کے بارے میں اپنے خیالات صفحۂ قرطاس پر منتقل کیے۔ انھوں نے عظمت و احترامِ آدم کا قرآنی سبق پھر یاد دلایا۔ فرمایا کہ

"انسان جس طرح ہر مرحلۂ زندگی میں ارتقا پذیر رہا، موت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، لہٰذا موت سے خوف کیسا؟ مال و دولت جسے میسر ہو، وہ اس سے ابنائے نوع کی خدمت کرے اور دینی کاموں میں اعانت کرے۔ مال و دولت، رفعِ احتیاجات کا ذریعہ ہیں، انھیں منتہائے مقصود نہ سمجھا جائے۔ انسان اپنے افعال میں مختار کل ہے۔ مجبوری کے بہانے اسے دست و پا شکستہ ہو کر بیٹھ نہ جانا چاہیے۔ توکل، سعی و کوشش کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ یہ عمل کا محرک ہے اور اسے بے عملی کا موجب نہیں ہونا چاہیے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رُومی نے عظمت وارتقائے آدم کے تصورات پیش کیے اور صُوفیا کو علم وعقل کی نعمتوں کی طرف متوجہ کیا ہے ؎

آدم کی زحق آموخت علم ۔۔۔ تا بہ ہفتم آسمان افروخت علم
نام و ناموس مَلک را در شکست ۔۔۔ کوریٔ آن کس کہ باحق در شک است
خاتم ملک سلیمانؑ است علم ۔۔۔ جملہ عالم صورت و جان است علم
بحر بی پایان بود عقل بشر ۔۔۔ بحر را غواص باید اے پسر
عقل پنہان است وظاہر عالمے ۔۔۔ صورت ما موج یا از وے نمے

مگر رُوحانی ارتقاء کی خاطر علم وعقل سے ماوراء بھی ایک قوت ہے، یہ عشق ہے، جس کی توصیف میں رُومی نے ہزار ہا ابیات لکھے ہیں۔

رُومی نے قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنے اشعار اور بیانات میں اس طرح سمویا کہ ان کی مثنوی کو خصوصاً "قرآن فارسی" کہا جاتا رہا ہے۔

رُومی نے عصری تقاضے پیش نظر رکھے اور آیاتِ قرآنیہ کی بعض دلپذیر تاویلات و توضیحات پیش کی ہیں مگر وہ اس بات کے خلاف تھے کہ اپنی بدعملی کی پردہ پوشی کی خاطر قرآن کی تاویلاتِ سیئہ پیش کی جائیں ؎

کردہ ای تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن، نی ذکر را
بر ہنر راہِ عشق می پوئی؟
بہ چراغ آفتاب می جوئی؟

ان چند صفحات میں بیان شدہ مجمل اشارات سے واضح ہو جاتا ہے کہ رُومی کا تصورِ فقر کس قدر اعلیٰ و ارفع اور پاکیزہ رہا ہے۔ یہ سربلندی، قدرت اور قوت وشکوہ کا مظہر ہے جیسے علامہ اقبالؒ ہمیں اس تصورِ فقر اور رومی کی دیگر دلپذیر تعلیمات کی طرف ہمیں بار بار متوجہ کرتے ہیں ؎

صحبتِ پیرِ رُوم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

© rasailojaraid.com